امام طحاویؒ

(۳)

از جناب مولوی سید قطب الدین صاحب حسینی صابری۔ ایم، اے (عثمانیہ)

بہرحال مجھے تو صرف مصر کی تاریخ کا ایک ورق پیش کرنا تھا اور اب ہم اس زمانہ تک آگئے ہیں جہاں دیکھ رہے ہیں کہ اس ملک میں ایک حنفی اور ایک شافعی عالم میں مقابلہ کا بازار گرم ہے کہ ٹھیک ان ہی دنوں میں ایک اور واقعہ پیش آتا ہے اور اس واقعہ کو بیان کرنے کے لئے مجھے اتنی لمبی چوڑی تمہید کے بیان کرنے کی زحمت اٹھانی پڑی کیا کیا جائے۔ عام مورخین واقعات کو اتنی ناقص حالت میں بیان کرتے ہیں کہ اصل حقیقت کا اس سے پتہ نہیں چلتا، لیکن بحمداللہ بکھرے ہوئے منتشر حوادث و واقعات کو جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکا ہے میں نے انھیں ایک سلسلہ میں جوڑنے کی کوشش کی ہے، اور آب آمدم برسر مطلب۔

امام طحاویؒ کا طلب علم کے لئے مصر آنا۔ قصہ یہ ہے کہ مصر میں شافعیت اور حنفیت کے درمیان یہی عالمانہ کشتی ہو رہی تھی کہ عین ان ہی دنوں میں یا اس سے چند سال پہلے صعید مصر کے گاؤں طحا سے ہمارے امام ابوجعفر طحاوی جو اس وقت نوعمر تھے، مصر طلبِ علم کے شوق میں تشریف لائے، ان کی والدہ چونکہ امام ابوابراہیم مزنی کی بہن تھیں، اس لئے قدرتاً ان کی تعلیم کا موزوں ترین مقام خود اپنے ماموں کا گھر ہو سکتا تھا، چنانچہ یہ اپنے ماموں ہی کے پاس تعلیم میں مصروف ہو گئے، ابتدائی منازل طے کر چکنے کے بعد جب اوپر کی کتابوں کے پڑھنے کا وقت آیا تو غالباً بڑی کتابوں میں اس وقت کے لحاظ سے شافعی مکتبِ خیال کے تعلیمی حلقوں میں مسند الشافعی جو نسبتاً شافعیوں کی کتابوں میں اس وقت آسان ترین کتاب تھی اپنے ماموں سے انھوں نے پڑھنی شروع کی۔ مسند شافعی میں بجائے مسائل اور مباحث کے صرف وہ حدیثیں جمع کردی گئیں جنھیں امام شافعیؒ اپنی سند سے روایت

کرتے ہیں اور جو چھپ چکی ہے۔

یہ مسند شافعی وہ نہیں ہے جو عام طور پر مسند شافعی کے نام سے مشہور ہے اور جو مصر اور ہندوستان میں مسند الشافعی کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ کیونکہ یہ امام شافعیؒ کی تالیف نہیں بلکہ ابوجعفر محمد بن مطر یا ابوالعباس الاصم المتوفی ۳۴۶ھ اس کے جامع ہیں۔ صاحب الطبقات نے جس مسند الشافعی کا ذکر کیا ہے وہ سنن الشافعی ہے جس کو مزنی امام شافعیؒ سے روایت کرتے اور مزنی سے امام طحاویؒ اس کے راوی ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۱۵ھ میں مصر سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

جہاں تک میرا خیال ہے ماموں کے پاس ان کی تعلیم اسی کتاب پر ختم ہو گئی کیونکہ آئندہ جب مسند درس حدیث پر خدا نے ان کو پہنچایا تو المزنی سے صرف مسند الشافعی ہی روایت کرتے تھے جیسا کہ صاحب طبقات نے لکھا ہے

تفقہ اولاً علی خالہ المزنی وروی	طحاوی نے ابتدا میں اپنے ماموں مزنی سے تعلیم پائی، مزنی کے واسطہ
عنہ مسند الشافعی [51]	سے وہ مسند شافعی کی روایت بھی کرتے تھے۔

ایک انقلاب آفریں واقعہ اور غالباً اسی زمانہ میں جب الطحاوی اپنے ماموں سے مسند الشافعی پڑھ رہے تھے حنفیت بلکہ فقہی دنیا کا وہ واقعہ پیش آیا جس نے سچ تو یہ ہے کم از کم حنفی فقہ کے استدلالی طریقہ کا رخ بدل دیا، عام مورخین تو صرف اسی قدر لکھتے ہیں، صاحب جواہر المضیہ نے مشہور حنفی امام ابوالحسین القدوری کے حوالہ سے نقل کیا ہے

کان ابوجعفر الطحاوی یقرء علی المزنی	ابوجعفر طحاوی اپنے ماموں مزنی سے پڑھتے تھے ایک دن مزنی
فقال لہ یوماً واللہ "لا افلحت" فغضب	نے ان سے کہا کہ تو کامیاب نہ ہو گا بس اس پر ان کو غصہ آگیا
وانتقل من عندہ [52]	اور مزنی کے پاس سے ہٹ گئے۔

ابن خلکان نے بغیر کسی حوالہ کے اسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے بجائے "لا افلحت" کے "واللہ لاجاء منک شیٔ"[53] کے الفاظ نقل کئے ہیں، قریب قریب دونوں کا مطلب ایک ہی ہے، چونکہ پہلی روایت حنفی اسکول کے ایک

---

[51] طبقات ج ۲ ص ۱۰۳۔ [52] الجواہر المضیہ ج ۱ ص ۷۶۔ [53] تم سے کچھ بن نہ آئے گا۔

ذمہ دار امام القدوری کی ہے، اس لئے اسی کو میں نے اختیار کیا ہے مگر قدوری کی روایت ہو یا ابن خلکان کی دونوں کی عبارت اتنی مجمل ہے کہ اس سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ الفاظ طحاوی نے اپنے ماموں سے کسی خانگی مسئلہ میں سُننے یا پڑھنے پڑھانے کے وقت کسی سوال یا نافہمی پر ان کو ڈانٹ پڑی لیکن اگر اس کو قرینہ قرار دیا جائے کہ عموماً اس واقعہ کا ذکر طحاوی کی تعلیمی حالت کو بیان کرتے ہوئے مورخین کہتے ہیں۔ اس سے غالب گمان ادھر ہی جاتا ہے کہ اس قصہ کا تعلق درس و تدریس ہی کے شعبہ سے ہے۔

اب اگر یہ مان لیا جائے اور اس کے ماننے کی کافی وجہ ہے تو آگے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ قصہ تھا کیا؟ کیا طحاوی نے کچھ پوچھا تھا اس پر المزنی بگڑ گئے، یا کسی بات کے سمجھنے میں الجھے، دیر ہوگئی، استاد کو غصہ آگیا، خیر یہ تو ہو سکتا ہے، درس و تدریس کا جن کو تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ استادوں سے عموماً ایسی صورتوں میں شاگردوں کو کچھ سننا ہی پڑتا ہے۔ مگر المزنی کا غصہ بھی اتنا کہ کچھ برا بھلا کہتے لیکن علم کے ایک طالب کو بددعا دینی اور وہ بھی المزنی جیسے محتاط متقی آدمی کا، اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ واقعہ کہ علامہ طحاوی کا اس پر بگڑ جانا، اور اتنا برہم ہو جانا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے ماموں کے حلقہ سے الگ ہو جانا، یقیناً غور کرنے کی اور سوچنے کی بات ہے، آخر المزنی استاد تھے اور استاد بھی معمولی نہیں بلکہ ایسی شخصیت تھے جو ہزار بارہ سو سال سے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کی امام شافعیؒ کے بعد امام مانی جاتی ہے علاوہ ازیں آخر المزنی طحاوی کے حقیقی ماموں بھی تو تھے۔ باپ، ماموں، خالو جیسے بزرگوں کے غصہ کی بات پر لڑکوں کا بگڑ جانا اور اتنا بگڑ جانا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر لینا، اس زمانہ میں جب خوردی اور بزرگی کے قوانین مغربی تمدن کے زیر اثر چنداں اہم نہیں رہے ہیں، ممکن ہے کہ چنداں قابل لحاظ نہ ہو لیکن ہم اسلامی تمدن و معاشرت کے جس عہد کا ذکر کر رہے ہیں، اس وقت یہ کوئی معمولی بات نہیں ہو سکتی اور اس سے آگے دلچسپ بات وہ ہے جس کا ذکر اس فقرہ کے بعد کیا جاتا ہے یعنی سب ہی لکھتے ہیں کہ ماموں کے ان الفاظ سے

فغضب ابو جعفر من ذلك وانتقل عن المزنی کی اس بات پر ابو جعفر کو بھی غصہ آگیا اور ان کے

عندہ و تفقہ علی مذھب ابی حنیفہ یہاں سے الگ ہو کر ابو حنیفہ کی فقہ کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ (طبقات ج ۱ ص ۷۶)

فرض کیجئے کہ طحاوی کو ماموں کی بات اتنی بری لگی تھی کہ ان سے تعلق توڑ لینے پر وہ مضطر ہو گئے، لیکن اس کے لئے اپنے خاندانی مسلک کو ترک کرنے کی کیا ضرورت تھی، اگر اپنے ماموں سے پڑھنا نہیں چاہتے تھے تو اسی شہر میں خود ان کے مذہب کے بڑے بڑے علمار مثلاً البویطی، حرملہ، ربیع موجود تھے، خصوصاً جیسا کہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں امام شافعیؒ کے مسند درس کے حقیقی خلیفہ تو البویطی ہی تھے، المزنی سے درس و تدریس کا اتنا تعلق بھی نہ تھا اور فرض کیجئے کہ کسی وجہ سے انھوں نے شافعی مسلک کو ترک کر دینے ہی کا ارادہ کیا ہو لیکن شافعیت کو ترک کر کے حنفیت ہی اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ غور کرنے کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ہی کی فقہ کے سیکھنے پر ان کو کس چیز نے مجبور کیا تھا، آخر امام شافعیؒ سے زیادہ قریب ترین تعلق رکھنے والے مالکی علمار بھی تو اسی شہر میں رہتے تھے، امام مالکؒ تو امام شافعیؒ کے ابو الاساتذہ تھے۔ جس شخص نے شافعیوں کی گود میں آنکھیں کھولیں، ان ہی میں ہوش سنبھالا، اور ان ہی کے دائرہ میں عمر کا کافی حصہ گذارا ہو، جیسا کہ انسانی نفسیات کا عام دستور ہے قدرتی طور پر ان ہی لوگوں کا رنگ اس پر چڑھ جاتا ہے۔ خصوصاً جو رنگ بچپن میں چڑھا ہو، اچانک کسی معمولی وجہ سے متاثر ہو کر اس رنگ کا چھوڑنا یا چھوٹنا آسان نہیں ہے۔

دراصل یہی سوالات تھے جو عام مورخین کی اس مجمل رپورٹ سے حل نہیں ہو رہے تھے قطعی طور پر تو شاید کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن اسلام کے فروعی اختلافات کی تاریخ کے متعلق مصر کا جو ورق منتشر اور بکھری ہوئی سطروں کو جوڑ کر میں نے پیش کیا ہے، شاید اس کی رہنمائی میں ایک حد تک ہم اصل حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں میرا مقصد یہ ہے کہ مختلف حالات سے گذرتے ہوئے قاضی بکار کے عہد میں مصر فقہی مکاتب خیال کے اعتبار سے جس نقطہ پر پہنچا ہوا تھا اس کے علم کے بعد طحاوی نے اپنے شافعی استاد اور ماموں کو چھوڑ کر حنفی مذہب اور حنفی فقہ کے حلقہ ہائے درس سے جو تعلق پیدا کیا غالباً اب اس کا سمجھنا دشوار نہ ہو۔

ابن ابی اللیث حنفی معتزلی قاضی کے زمانہ میں امام شافعیؒ کے تلامذہ کا، المزنی کے دوست اور قدیم رفیق درس امام البویطی کا پابہ زنجیر مصر سے بغداد جانا، اور ان ہی بھاری بھاری بیڑیوں کے نیچے حالت اسیری وقید میں جان بحق ہونا، خود المزنی کی جامع مسجد میں بھرے اجلاس کے اندر دوسرے علماء ومشائخ کے ساتھ ابن ابی اللیث کے غلاموں سے اتنی ذلت اٹھانی کہ تھپڑ مار کر ان علماء کے سر کی ٹوپیاں اڑائی جاتی ہیں اور شہر کے اوباش لڑکے ان سے گیند کھیلتے ہیں۔ بھلا ان واقعات وحوادث نے المزنی کے دل وجگر پر حنفیت کی جانب سے جو گہرے زخموں کے نشانات قائم کردئے تھے کیا وہ بھر سکتے تھے، مانا کہ قاضی بکار کے طرز عمل نے حنفیت کی جانب سے بہت کچھ صفائی کا مواد فراہم کردیا تھا مگر انھوں نے بھی کیا کیا تھا صرف یہی کہ ابن ابی اللیث کے سفلہ پن کی جگہ ایک اعلیٰ شریفانہ کردار کی حنفی مثال پیش کی تھی، لیکن مقابلہ اور رقابت کا سلسلہ تو پھر بھی باقی تھا، کوڑوں اور زنجیروں کا ذریعہ ختم ہوگیا تھا، لیکن قلم کا حملہ تو جاری تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ قلمی حملہ کی ابتدا قاضی بکار ہی نے کی۔ خواہ وہ کتنے ہی جمیل اور محتاط رنگ میں ہو، ابن ابی اللیث کا قصہ تو ایک دن دو دن میں ختم ہوجاتا تھا لیکن قاضی بکار نے جب امام شافعیؒ پر رد کرنے کے لئے اپنی کتاب جلیل لکھنی شروع کی ہوگی، ظاہر ہے کہ جو کچھ رات کو لکھتے ہوں گے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسرے دن اس کا ذکر اپنے تلامذہ اور حلقۂ احباب واصحاب میں کرتے ہوں گے اور یہ چیزیں مسلسل امام المزنی تک پہنچائی جاتی ہوں گی۔ آج فلاں مسئلہ میں امام شافعیؒ کی یہ غلطی قاضی نے نکالی، فلاں مسئلہ میں ان کے علمی نقص کو ثابت کیا۔ یہ قصہ جہانتک میرا خیال ہے برسوں جاری رہا۔ کیونکہ گو ابن طولون نے قاضی بکار کو آخر میں قید کردیا تھا۔ لیکن پھر بھی المزنی کی زندگی میں قاضی بکار کو تقریباً گیارہ بارہ سال ایسے ملے ہیں جن میں ان کو ہر قسم کی فراغ بالی حاصل تھی، مالی فراغ بالی کا تو پوچھنا ہی کیا تھا، مصر کے قاضی تھے اور اس پر ابن طولون ان کا حد سے زیادہ قدردان تھا۔ علاوہ ماہوار تنخواہ کے جو مصر کی طلائی اشرفی پونے دوسو ماہوار کے قریب تھی ہر سال ابن طولون ایک ہزار اشرفیوں کا توڑا بطور معمول کے دیا کرتا تھا اور اس پر لطف یہ تھا کہ قاضی صاحب کو اس پر بھی فخر تھا کہ۔

ماحللت سراویلی علی حلال[۱] جائز مقام پر اپنی شلوار میں نے نہیں کھولی ہے۔

یعنی عمر بھر کنوارے[۱] رہے۔ بگاڑسے پہلے ابنِ طولون کے پاس جاہ وجلال کا حال یہ تھا کہ طحاوی اپنی چشم دید شہادت بیان کرتے ہیں کہ

فما ادری الکم کان یجیئ احمد بن طولون الی بکار وھو علی الحدیث فما یشعر بکار الاوھو جالس الی جنبہ[۲]

مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کئی دفعہ یہ صورت پیش آئی کہ احمد بن طولون قاضی بکار کے پاس آتا اور قاضی حدیث پڑھانے رہتے تھے قاضی صاحب کو پتہ بھی نہیں چلتا، متنبہ ہوتے بھی تو اس وقت جب ابنِ طولون کو اپنے بغل میں بیٹھا پاتے۔

ایک معمولی مقدمہ میں ابنِ طولون کا فرمان ہوا کہ فلاں گھر کو قاضی نیلام کرادیں، قانونی طریقہ سے اس میں خود ابنِ طولون کے بیان کی ضرورت تھی، قاضی بکار نے صاف کہلا بھیجا حتی یحلف من لہ الدین یعنی خود ابنِ طولون جب تک اجلاس میں آکر قسم کھا کر نہ بیان کرجائے کہ ان کا بقایا ہے میں نیلام کا حکم نہیں دوں گا راوی کا بیان ہے فحلف ابن طولون (ابنِ طولون نے قسم کھائی) تب قاضی نے کہا الآن فقد امرت بالبیع (اب میں مکان کی بیع کا حکم دیتا ہوں) ابنِ طولون قاضی بکار کی کتنی نازبرداریاں کرتا تھا اگر اس کی تفصیل کی جائے تو بڑی طوالت ہوگی۔ حد یہ تھی کہ چونکہ ابنِ طولون زیادہ تر مقدمات کے فیصلے خود ہی کرتا تھا اور مصر میں ایسا رعب داب قائم کر رکھا تھا کہ مقدمات کی تعداد بھی اتنی گھٹ گئی تھی کہ

---

[۱] اس سلسلہ میں ایک دلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ حارث بن مسکین قاضی کے گھر ایک دن قاضی بکار ملنے گئے، حارث عمر میں بڑے تھے، پوچھا میاں بکار تم پر کچھ قرض تھا یا بال بچے ہیں، یا حکومت نے زبردستی کی جو بصرہ چھوڑ کر اتنی دور مصر نوکری کرنے آئے۔ قاضی صاحب نے کہا ان میں سے کوئی بات نہیں، حارث نے سنکر کہا تو تم نے خواہ مخواہ مصر سے بصرہ تک بیچارے اونٹ کو تھکایا۔ حارث بڑے زاہد مزاج آدمی تھے، اس کے بعد بولے مجھے خدا کی قسم ہے جو تمہارے پاس کبھی آؤں، مطلب یہ تھا کہ پھر دنیا میں بلا ضرورت مبتلا ہونے کی کیا حاجت تھی۔

[۱] لمحقات الکندی ص ۵۱۰۔ [۲] ایضاً ص ۵۰۸

حتی کان بکار بما نعس فی مجلسہ	بسا اوقات قاضی اپنے اجلاس میں بیٹھے بیٹھے اونگنے لگتے
واتکا ثم انصرف الی منزلہ و	اور ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے پھر گھر واپس ہوتے اس طور پر کہ دو
لم یتقدم الیہ اثنان ؎	آدمی بھی ان کے سامنے پیش نہ ہوتے۔

گویا سرکاری کاموں سے ان کو فراغت تھی، ایسے موقعہ پر ظاہر ہے کہ بحث ومباحثہ کے سوا ان کا زیادہ مشغلہ اور کیا ہوگا، مزنی کی مختصر تھی اور اس پر ان کی تنقیدیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے، جو کچھ قاضی لکھتے تھے یومیہ اس کی خبر المزنی کو پہنچائی جاتی تھی، علمی مباحث کا اس شخص تک پہنچنا آخر کیا مستبعد ہے، جس کی کتاب پر تنقید لکھی جارہی تھی، جب لوگوں کا حال یہ تھا کہ معمولی معمولی مقدمات تک کے اظہار اور بیان کی رپورٹ مزنی کو پہنچا آتے تھے۔ کہتے ہیں کہ کسی نے شفعہ کا دعویٰ قاضی کے اجلاس میں دائر کیا، مدعی علیہ شافعی تھا اور دعویٰ شفعہ شرکت ملک کا نہیں بلکہ شرکتِ جوار (پڑوس) کا تھا جس سے امام شافعیؒ کے نزدیک شفعہ کا حق پیدا نہیں ہوتا، مدعی علیہ اپنے امام کے خیال کی بنیاد پر شفعہ کا انکار کرتا تھا، قاضی صاحب نے اس کو حلف لینے کیلئے کہا۔ اس نے قسم کھا کر کہا کہ مدعی کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے، قاضی نے کہا کہ قسم میں اتنا اور اضافہ کرو کہ جو لوگ جوار کے شفعہ کے قائل ہیں ان کے مسلک کی بنیاد پر بھی شفعہ کا اس کو حق نہیں ہے۔ اس اضافہ سے اس نے انکار کیا۔ قاضی صاحب نے مدعی کو ڈگری دیدی۔ حالانکہ بات کتنی معمولی اور ہلکی ہے مگر چونکہ اس میں حنفیت اور شافعیت کے اختلاف کی ہلکی سی جھلک پائی جاتی تھی اس لئے اس شخص نے المزنی تک اس کی خبر پہنچائی امام مزنی نے سنکر فرمایا ایک فقیہ قاضی کا سامنا نہیں ہوا ؎۲

شافعیت وحنفیت کے قصہ کی جب اتنی معمولی بات بھی قاضی بکار کی المزنی تک پہنچائی جاتی تھی تو قاضی کی "کتاب جلیل" جو گو بظاہر امام شافعی کی تردید میں تھی، لیکن جاننے والے جانتے ہیں

؎ ملحقات الکندی ص ۵۱۲۔ ؎۲ ایضاً ص ۵۱۳۔

کہ ان تردیدوں کی زیادہ زد المزنی کی ان جانکاہیوں اور محنتوں پر پڑتی تھی جو انھوں نے امام شافعیؒ کے نقاط نظر کی تعبیر میں اٹھائی تھی۔ ذہبی نے اپنی مشہور تاریخ دول اسلام میں قاضی ابوزرعہ کا فقرہ جو المزنی اور ان کی مختصر کے متعلق نقل کیا ہے کہ کسی نے ابوزرعہ کے سامنے کہا کہ مزنی نے امام شافعیؒ سے بہت زیادہ علم حاصل کیا، ابوزرعہ نے کہا

ما اکثر ما ظلم المزنی للشافعی [۱] امام شافعیؒ کی وجہ سے مزنی پر کتنے ظلم ہوئے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ بیچارے مزنی کے کتنے کمالات ہیں جو واقعی ان کے تھے وہ لوگوں نے امام شافعیؒ کی طرف منسوب کرکے ان پر ظلم کیا، اور یہ بھی صحیح ہے کہ امام شافعیؒ کی وکالت کی وجہ سے مزنی کو مخالفین کے تمام حملے اپنے اوپر لینے پڑے بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ قاضی ابوزرعہ کا مشہور تاریخی فقرہ اپنے پیش رو قاضی بکار ہی پر شاید تعریض ہے۔ اس لئے باوجودیکہ بویطی، ربیع وغیرہ سب کے مختصرات منسوبہ الی الشافعی موجود تھے، لیکن اس مظلومیت کی تلافی کی صورت قاضی ابوزرعہ نے یہ نکالی تھی کہ صلائے عام دیدیا تھا۔

من یحفظ مختصر المزنی مائۃ دینار یھبھا لہ۔ [۲] جو مزنی کی مختصر کو زبانی ازبر کرے گا تو سو اشرفیاں قاضی ابوزرعہ اس کو دینگے

گذر چکا ہے کہ قاضی بکار کی "تصنیف جلیل" کے لکھنے کا منشار امام شافعی یا ان کے تلامذہ کی کوئی دوسری کتابیں نہیں تھیں بلکہ یہ سارا بخار مزنی کی مختصر ہی کو سامنے رکھکر نکالا جا رہا تھا، اسی مختصر کے سننے کے لئے دو مستقل گواہ مزنی کے پاس بھیجے گئے اور گواہوں کے شرعی اظہار کے بعد قاضی نے "قال الشافعی" کے دعوی کی شرعی تصحیح کرکے جس پر تیر اندازی کر رہے تھے آخر کار اس کی دکھن اپنے اندر محسوس کرنے لگے۔

میرا خیال ہے کہ معلوماتِ بالا کو جو بھی بنظرِ تعمق پڑھیگا وہ میرے ساتھ اتفاق کرنے میں غالباً پس و پیش نہیں کر سکتا کہ مصر قاضی بکار کے عہدۂ قضا کے عہد میں (غیر شریفانہ، نا مہذب اختلافات کا نہیں) بلکہ شائستہ

---

[۱] رفع الاصر ص ۵۲۳ [۲] بحوالہ دول۔ رفع الاصر ص ۵۲۳

باوقار عالمانہ مناظروں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، میرا اندازہ ہے کہ مصر پر یہ دور تقریباً دس گیارہ سال تک باقی رہا۔

اور یہی وہ وقت ہے جب ہمارے امام ابوجعفر الطحاوی علمی ارتقار کے وسطانی زینوں پر قدم رکھ چکے تھے، غالب ہے کہ مسند الشافعی اور اس کے ساتھ فقہ شافعی کے استدلالی طریقہ کے ابتدائی خاکہ سے وہ واقف بنائے جارہے تھے۔ سنین کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عمر اس زمانہ میں سترہ اٹھارہ سال سے متجاوز ہوچکی تھی، ظاہر ہے کہ ان کے علمی مذاق کی ابتدا ایک ایسے ماحول میں شروع ہوئی جس میں صبح وشام حنفیت وشافعیت کے درمیان علمی میدان داری ہورہی تھی۔ قاضی بکار تو ادھر اپنے ترکش کے تیز سے تیز تیر نکال نکال کر اپنی تصنیف جدید کے کمانوں سے امام شافعیؒ کی آڑ لیکر المزنی پر چلارہے تھے، اگرچہ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس تحریری مبازرت میں مزنی نے بھی قلم اٹھایا یا نہیں، لیکن ہر وہ تیر جو قاضی کی طرف سے چلایا جاتا ہوگا۔ ناممکن ہے کہ اگر تحریری نہیں تو مزنی کے حلقۂ اصحاب واحباب میں تقریری طور پر اس کی مدافعت اور بازگشت کی آواز نہ سنی جاتی ہو، علم کا جو حلقہ ان مدافعانہ اور اقدامانہ آوازوں سے گونج رہا تھا ظاہر ہے کہ اس میں ابوجعفر طحاوی بھی شریک تھے بلکہ اور دوسرے شاگردوں کو رد وقدح، سوال وجواب، تردید وتنقید کا موقعہ صرف خاص اوقات ہی میں ملتا ہوگا، بخلاف طحاوی کے کہ المزنی کا گھر ہی ان کا گھر تھا۔ صبح وشام اٹھتے بیٹھتے ان کے کان میں رد وقدح و جدلیات کی ان آوازوں کے سوا اور کیا آواز آتی ہوگی۔ خصوصاً ایسے گھرانوں میں جہاں علم کے سوا رہنے والوں کا کوئی دوسرا مشغلہ نہ ہو، جہاں تک کہ امام مزنی کے حالات معلوم ہیں ان کی زندگی کے چوبیس گھنٹے علاوہ ضروریات حیات ودین کے اسی مشغلہ میں بسر ہوتے تھے۔

امام طحاوی کی فطری افتاد طبع

اب اسی کے ساتھ آپ طحاوی کی خاص فطری نہاد اور افتاد طبع کا بھی اندازہ کیجئے، قطع نظر ان کے خاص ذہن وذکا، سوجھ بوجھ کے جن کا پتہ ان کی کتابوں کی ہر سطر اور ہر ورق سے ہر اس شخص کو مل سکتا ہے جس نے ان کی تالیفات کا تھوڑا بہت بھی مطالعہ کیا ہے۔ اور انشاء اللہ اپنے مضمون کے دوسرے حصہ میں ہم اس کی مثالیں بھی پیش کریں گے۔ اسی وقاد طبیعت، ثاقب ذہن اور اس کے ساتھ ساتھ جب نوجوانوں

کی فطرت میں تسلیم وانقیاد کی جگہ کچھ اُپج اور اجتہاد کا بھی مادہ ہو تو اس کے جو نتائج ہو سکتے ہیں وہ ظاہر ہیں، طحاوی کی فطرت اور ان کے دل ودماغ کا طبعی رجحان کیا تھا، اس کا اندازہ اسی واقعہ سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر امام طحاوی نے خود اپنی تاریخ میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ

فطارت هذه الكلمة بمصر حتى صار مثلا   مری یہ بات سارے مصر میں اڑ گئی یہاں تک کہ ضرب المثل بن گئی

قصہ یہ ہے کہ قاضی ابو عبید شافعی جن کا ذکر اپنے موقعہ پر آنے والا ہے، ان سے اور طحاوی سے مختلف اختلافی مسائل میں (شافعیہ حنفیہ) کے متعلق بحث و مباحثہ ہوتا رہتا تھا، طحاوی کہتے ہیں کہ کسی سوال کے جواب میں

اجبته بمسئلة فقال لى ما هذا   میں نے قاضی ابو عبید کو ایک مسئلہ کی صورت میں جواب دیا

قول ابی حنیفة   قاضی نے کہا امام ابو حنیفہؒ کا مسلک تو یہ نہیں ہے۔

ابو عبید نے گویا ان پر یہ الزام لگایا کہ باوجود حنفی مسلک ہونے کے تم کو ایسے جواب دینے کا کیا حق ہے جو امام ابو حنیفہ کا مسلک نہیں ہے۔ ابو عبید کے اس اعتراض کا طحاوی نے جو جواب دیا اسی کا پیش کرنا مجھے مقصود ہے، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ طحاوی نے یہ اس زمانہ میں جواب دیا ہے جب ان کی عمر ۶۴، ۶۵ سال کے قریب تھی اور حنفی مسلک کی تائید میں اس وقت تک دفتر کے دفتر تیار کر چکے تھے، گویا حنفیت کا جتنا رسوخ کسی میں ممکن ہو سکتا ہے، عمر اور اشتغال دونوں کے اعتبار سے اس کی آخری منزلوں سے گذر چکے تھے، لیکن جوانی کی ترنگ میں نہیں بلکہ بڑھاپے کے سکون ورسوخ کے بعد چھوٹتے منہ طحاوی کی زبان سے یہ جواب نکلتا ہے۔

ایها القاضی او کلما قال ابو حنیفة   قاضی صاحب کیا جو کچھ امام ابو حنیفہؒ کہیں کیا ضرور ہے

اقول به   کہ میں بھی وہی کہوں۔

خیر یہاں تک تو بات پھر بھی ایک حد تک ٹھنڈی ہی ہے، ابو عبید نے طحاوی کے اس جواب پر جب یہ چبھتا ہوا نشتر لگایا۔

ما ظننتك الا مقلدا   میں تو مقلد ہونے کے سوا تمہیں اور کچھ خیال نہیں کرتا تھا

اس وقت بوڑھے طحاوی کی زبان پر بے باک جوانوں کا سا یہ جواب بے ساختہ جاری ہوتا ہے طحاوی خود ہی راوی ہیں

فقلت لہ ھل یتقلد الا عصبی — میں نے کہا کہ مقلد تو وہی ہو سکتا ہے جو متعصب ہو

ابو عبید نے طحاوی کی اس جرأت کو محسوس کر کے پھر کہا

او غبی — یا وہ مقلد ہوتا ہے جو غبی ہو

طحاوی اور ابو عبید دونوں کی زبانوں کا یہی بے ساختہ فقرہ

ھل یتقلد الا عصبی او غبی

ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک آگ کی طرح پھیل گیا "حتی صار مثلاً" اور لوگوں نے اس کو ضرب المثل بنا لیا (یہ واقعہ رفع الاصر کے حوالہ سے الکندی کے لحقات سے ماخوذ ہے، طحاوی کا واقعی مطلب اس فقرہ سے کیا تھا مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ کہنہ سالی کے سکون اور طمانیت میں جس کی فطرت کا یہ حال ہو، جوانی کا گرم خون جب اس کی رگوں میں دوڑ رہا تھا اس وقت اس کے دل و دماغ جذبات و رجحانات کی کیا کیفیت ہوگی جس کی آزاد خیالی کا بڑھاپے میں یہ رنگ ہو، جوشِ شباب میں اس کی طبیعت کی منہ زوریوں، نفس کے ابا کا کیا حال ہوگا، مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابو جعفر طحاوی جس زمانہ میں اپنے ماموں المزنی کے زیرِ تعلیم تھے اور قاضی بکار و مزنی کے درمیان مقابلہ کا بازار گرم تھا، ہر روز قاضی کے حلقہ سے کسی نئے مورچہ پر حملہ کی جو خبر آتی ہوگی اور اس کی مدافعت میں المزنی کی طرف سے جو تیاریاں عمل میں آتی ہوں گی دونوں طرف کے مباحث میں قدرتی طور پر الطحاوی کا بھی حصہ لینا ناگزیر تھا۔ اسی سلسلہ میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں طحاوی کے غیر عصبی کھلے ہوئے آزاد دماغ نے قاضی بکار کہئے یا حنفی پہلو کی تائید میں کہئے کچھ اصرار کیا، ماموں نے ابتدا میں تفہیم سے کام لیا ہوگا لیکن جوان بھانجے کا اصرار اسی پہلو پر زور دینے میں بڑھتا رہا، طبعاً ایسے موقعہ پر جہاں نسبی طور پر خوردی بزرگی کا بھی رشتہ ہو، استاد کا برہم ہو جانا اور برہمی میں کچھ

حد سے گذر جانا محلِ تعجب نہیں ہے اور یہی وقت تھا جس میں المزنی کی زبان سے طحاوی کی شان میں وہ الفاظ نکل پڑے جس سے مورخین واللہ لا افلحت (خدا کی قسم تو کبھی کامیاب نہ ہوگا) واللہ لاجاء منك شئ (خدا کی قسم تجھ سے کوئی کام نہ بن پڑے گا) ہو سکتا ہے کہ جوشِ کلام میں طحاوی سے بھی ایسے الفاظ نکل پڑے ہوں جو المزنی یا امام شافعیؒ کے مقام کے مناسب نہ ہوں ایسے مواقع میں یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے اور ان کی یہی بات المزنی کے زیادہ برہم ہونے کی وجہ ہوگئی ہو۔

بہرحال قرائن کا یہ اقتضا ہے کہ ماموں بھانجے میں یہ جھگڑا حنفیت اور شافعیت ہی کے اختلافی مسائل کے متعلق ہوا، اور اس جھگڑے کی بنیاد قاضی بکار کی "وہ کتاب جلیل" ہی تھی جس کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ ماموں سے اس علمی مقاطعہ کے بعد طحاوی بجائے اس کے کہ کسی دوسرے شافعی عالم یا مالکی فقیہ کے پاس جاتے، وہ سیدھے علمار احناف کے حلقوں میں جا کر شریک ہوگئے اور گو اس سلسلہ میں انھوں نے متعدد حنفی علما سے استفادہ کیا لیکن ان اساتذہ میں ان کا جو تعلق قاضی بکار سے رہا غالباً دوسروں سے اتنی خصوصیت حاصل نہیں ہوئی۔ ذہبی نے اپنی کتاب سیر النبلار میں قاضی بکار کے تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے جہاں طحاوی کا نام لیا ہے ان الفاظ کا بھی اضافہ کیا ہے

واکثر عنہ الطحاوی جدا [1] قاضی بکار سے طحاوی نے بکثرت روایت کی ہے۔

ذہبی کے اس قول کی تصدیق ان کی مرویات سے ہوتی ہے اور صرف علمی استفادہ نہیں بلکہ قاضی بکار کی پاسداری میں جیسا کہ میرا خیال ہے اپنے حقیقی ماموں اور ان کی مادی اعانتوں کو چونکہ چھوڑنا پڑا، اسی کی تلافی قاضی بکار نے یوں کی کہ طحاوی کو اپنا سکریٹری بنا لیا عبدالقادر المصری نے اپنے طبقات میں تصریح کی ہے

وکان کاتبا للقاضی بکار بن قتیبہ [2] طحاوی قاضی بکار بن قتیبہ کے سکریٹری تھے۔

بلکہ میرا گمان تو یہ ہے کہ ماموں سے الگ ہونے کے بعد قاضی بکار جو اہل و عیال کے جھگڑوں سے آزاد تھے

---

[1] طبقات کندی ص ۵۰۵۔ [2] ص ۱۰۳۔

انھوں نے جوہر صالح پاکر طحاوی کو اپنی سرپرستی میں لے لیا، واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا عام طور پر کیا کرتے تھے، عامر بن عبداللہ کا حال آگے آئیگا کہ وہ قاضی صاحب کا پروردہ تھا اور غالباً امام طحاوی قاضی بکار ہی کے اشارہ سے پہلے تو مصر ہی میں ایک قدیم حنفی عالم جن کا نام احمد بن ابی عمران موسیٰ تھا اور جو قاضی ابو یوسف محمد بن حسن کے مشہور شاگرد و خلیفہ محمد بن سماعہ کے تلمیذ تھے، ان سے پڑھنے کا حکم دیا اور اس کے بعد ان کو قاضی بکار ہی نے شام بھیجدیا وہاں طبقۂ احناف کے ایک ماہر فن مولوی عالم عبدالحمید ابو خازم سے ان کے خاص علوم کے سیکھنے کا موقعہ دیا جن کا حاصل ہونا اس زمانہ میں ہر شخص کے لئے آسان نہ تھا، تاریخوں میں لکھتے ہیں، کہ ابو خازم اس زمانہ میں علاوہ عام علوم دینیہ کے

کان عالما بالفرائض والحساب فی الذرع و	وہ فرائض اور حساب ذرع (پیمائش) قسمت کے عالم
القسمة حسن العلم بالجبر والمقابلة وحساب الدَّور	تھے اور جبر و مقابلہ دور کے حساب وصایا کے اسرار
وغامض الوصایا والمناسخات [1]	اور مناسخات کا بھی اچھا علم رکھتے تھے۔

یہ خیال کہ طحاوی شام قاضی بکار کی سرپرستی میں گئے، اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ اپنے ماموں المزنی سے الگ ہونے کے بعد جہاں تک معلوم ہوتا ہے ابو جعفر طحاوی کی مالی حالت اچھی نہ تھی ابن خلکان نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ

ابو جعفر الطحاوی کان صعلوکا [2]	ابو جعفر طحاوی مفلس تھے۔

"صعلوک" کا لفظ عربی زبان میں گویا انتہائی فقر و فاقہ کی حالت کو ظاہر کرتا ہے اس زمانہ میں حصول علم کی راہ میں جو مالی قربانیاں لوگوں کو دینی پڑتی تھیں، خصوصاً ان علوم کے لئے جن کے عالم ابو خازم عبدالحمید تھے وہ معمولی نہ تھیں، غالباً قاضی بکار چونکہ ان کو اپنا سکریٹری بنانا چاہتے تھے اور محکمۂ قضا کے سکریٹری کے لئے علوم مذکورہ بالا کا جاننا ضروری تھا۔ اس لئے ان کو پہلے انھوں نے ابو خازم کے پاس بھیجدیا، چونکہ فقہ ابی حنیفہ کی تکمیل

---

[1] جواہر مضیہ ص ۲۱۷ [2] ابن خلکان ج ا ص ۱۹ -

توطحاوی ابن سماعہ کے ایک جلیل القدر شاگرد احمد بن ابی عمران سے کرچکے تھے، جب دنیاوی علوم، نیز مواریث فرائض ووصایا کا فن ابوخازم سے حاصل کرکے اب وہ مصر لوٹے تو محکمۂ قضا کے کاتب ہونے کی صلاحیت پورے طور پر پیدا ہوچکی تھی قاضی بکار نے ان کو اپنے پاس نوکر بھی رکھ لیا اور جب تک موقعہ ملتا رہا قاضی بکار سے طحاوی فقہیات سے زیادہ حدیث کا علم حاصل کرتے رہے، اسی لئے جیسا کہ میں ذہبی کے حوالہ سے نقل کرچکا ہوں کہ قاضی بکار سے زیادہ ہی نہیں بلکہ "اکثر جدًا" کی شکل میں انھوں نے حدیثیں روایت کی ہیں اور جہاں تک میرا خیال ہے حنفی فقہ کے جدلیاتی حصہ کی تعبیر وتخیر تقریر وتاویل میں طحاوی نے جو ید طولیٰ حاصل کیا۔ اس میں زیادہ تر قاضی بکار ہی کی صحبت کو دخل ہے، فقہ کے اس حصہ پر غور وفکر اور مشق کا موقعہ ان کو اس لئے اور زیادہ میسر آیا کہ اس زمانہ میں مختصر المزنی کے مقابلہ میں قاضی بکار اپنی کتاب جلیل کے ساتھ مصروف تھے اور کیا عجب ہے کہ اس سلسلہ میں بھی وہ اپنے جوان سکریٹری سے کام لیتے ہوں، طحاوی کے ساتھ قاضی بکار کی مہربانیوں میں ہوسکتا ہے کہ اس علمی رقابت کو بھی دخل ہو، جو المزنی سے ان کو تھی گویا جسے المزنی نے گرایا تھا وہ اسے اٹھانا چاہتے تھے، یوں سمجھئے کہ ان دونوں عالموں کی اس رقابت نے علامہ طحاوی کا کام بنادیا۔ دین وعلم ودنیا تینوں چیزیں انھیں حاصل ہوگئیں۔

لیکن افسوس یکایک عباسی حکومت میں ایک سیاسی فتنہ کھڑا ہوا، جس کی داستان طویل ہے، خلاصہ یہ ہے کہ عباسی حکومت کا خلیفہ اب معتمد تھا اور اپنے بھائی موفق کو اس نے ولی عہد باضابطہ تسلیم کرلیا تھا لیکن موفق پر حرص کا غلبہ ہوا اور معتمد کی زندگی ہی میں وہ تختِ خلافت پر قبضہ کی کوشش کرنے لگا۔ معتمد نے تمام امرا دولت سے اس سلسلہ میں امداد طلب کی، مصر کا حاکم احمد بن طولون جو قاضی بکار اور ان کے علم وفضل کا سب سے بڑا قدرشناس تھا، معتمد کی امداد کو کھڑا ہوگیا۔ موفق اس بنیاد پر ابن طولون سے بگڑ گیا۔ معتمد کو موفق شاہ شطرنج بنا چکا تھا، حکومت کے وسائل پر اس کا قبضہ تھا اس نے ابنِ طولون کی معزولی کا فرمان بھیجدیا اور ممالک محروسہ میں اس پر لعنت کرنے کا حکم دیا۔ ابنِ طولون کے غصہ کی کوئی حد نہ رہی فوج لیکر مصر سے بغداد کی طرف

چل پڑا، قاضی بکار بھی ساتھ تھے، دمشق میں ابن طولون کو معتمد کا فرمان، ملا کہ موفق کو ولی عہدی سے ہم نے معزول کردیا، اسی وقت ابنِ طولون نے تمام امراء و اعیان قضاۃ و مشائخ جو وہاں موجود تھے سب کو خلیفہ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے کہا۔ کہا جاتا ہے کہ سبھوں نے تعمیل کی لیکن قاضی بکار نے خلیفہ کو " الناکث " عہد شکن قرار دیا۔ یہ خبر ابنِ طولون کو پہنچی، قاضی کی طلبی ہوئی، امتحاناً اس نے موفق پر لعنت کرنے کا قاضی سے مطالبہ کیا انھوں نے انکار کردیا، دونوں میں تو تو میں میں ہوئی، تاایں کہ ابنِ طولون غصہ سے بھوت ہوگیا، اور قاضی بکار کا سارا وقار اس کے دل سے نکل گیا پھر ابنِ طولون نے قاضی بکار کے ساتھ جو ناگفتہ بہ سلوک کئے، اس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قاضی بکار کے بدن سے کپڑے پھڑوا کر اس نے اتروالئے، صرف پائجامہ اور موزہ کے ساتھ قاضی صاحب ننگے بدن زمین پر لٹائے گئے اور ان کی دونوں ٹانگوں کو لمبی کراکے آہنی اعصا سے ابنِ طولون نے مسلسل مارنے کا حکم دیا۔ ایک آدمی ان کی ٹانگیں پکڑے ہوئے تھا اور مسلسل مار پڑ رہی تھی، قاضی بکار پاؤں سمیٹ بھی نہیں سکتے تھے بیان کیا جاتا ہے کہ اس حال میں بھی اس بلند فطرت قاضی کے منہ سے " اوہ " سے زیادہ کوئی آواز نہیں نکلتی تھی اور اسی عریاں حال میں ان کو جیل خانہ پہنچا دیا گیا، جہاں وہ آخر عمر تک رہے۔ ابنِ طولون کی وفات[1] کے چالیس دن بعد قاضی صاحب کا بھی انتقال ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ اس انقلاب نے ع

شد آں مرغ کو خانۂ زریں نہاد زمانہ دگرگوں آئین نہاد

نہ وہ ولایت قضا رہی، نہ قاضی بکار کے سکریٹری، ورکا نہیں سب الگ الگ ہوگئے خود طحاوی کا بیان ہے کہ قاضی کے ایک ایک ملنے والے الگ ہوگئے، بلکہ ابنِ طولون کے اس اعلان پر کہ قاضی بکار پر جس کا جو کچھ مطالبہ ہو پیش کرے، طحاوی کہتے ہیں کہ دنیا جھوٹے دعوے لیکر ٹوٹ پڑی

[1] کہتے ہیں کہ ابن طولون جب مرض الموت میں مبتلا ہوا تو قاضی سے معافی کے لئے آدمی بھیجا، انھوں نے کہلا بھیجا " میں پیر رفتہ از کار اور تو بیمار خستہ و زار، اور ہم دونوں کی ملاقات کا دن قریب ہے ہمارے اور تمہارے درمیان صرف حق تعالیٰ پردہ ڈالے ہوئے ہیں، جب ابن طولون مرگیا، قاضی کو خبر دی گئی بولے " مسکین مرگیا "

اپنی آنکھ دیکھی عبرت کا ایک واقعہ طحاوی ہی نے نقل کیا ہے کہ ایک نوعمر لڑکا عامر نامی جسے قاضی صاحب نے پالا تھا وہ بھی مدعیوں میں شریک ہوکر ابنِ طولون کے سامنے حاضر ہوا، قاضی صاحب کو ابنِ طولون جواب کے لئے دربار میں بلاتا تھا اور اپنے سامنے کھڑا کرکے جواب پوچھتا تھا، قاضی کی نظر جب اس پروردہ لڑکے پر پڑی تو بے اختیار ہوگئے۔ بولے عامر تم یہاں کیسے؟ عامر نے کہا تونے مال برباد کیا اور آج پوچھتا ہے یہاں کیسے، طحاوی کا بیان ہے کہ قاضی کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل پڑے "اگر تو جھوٹ بولتا ہے توخدا تیری عقل سے تجھے نفع نہ پہنچائے" خود امام طحاوی نے اس کے بعد دیکھا کہ وہ لڑکا مصر کی گلیوں میں دیوانہ وار مارا پھرتا تھا، لوگوں پر ڈھیلے پتھر پھینکتا تھا منہ سے ہمیشہ لعاب بہتا رہتا تھا جدھر نکل جاتا، لوگ پکار اٹھتے ہٰذہ دعوۃ بکار (یہ بکار کی بددعا کا اثر ہے) امام طحاوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ

ماتعرض لہ احد فافلح قاضی بکار کے ساتھ جو بھی الجھا وہ کامیاب نہ ہوسکا۔

طحاوی کے یہ سارے بیانات بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ قاضی بکار سے ان کا خاص تعلق تھا اپنے سرپرست ومحسن کے اس حال کو دیکھکر ان کا دل روتا تھا اور خدا کی شان دیکھئے کہ بلندی کے بعد طحاوی کو یہ پستی اپنے ماموں المزنی کی زندگی ہی میں دیکھنی پڑی کیونکہ قاضی بکار کے ابتلا رکے سات سال بعد المزنی نے وفات پائی

وتلک الایام نداولہا بین الناس

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں علامہ طحاوی نے جو کچھ کمایا تھا سب ختم ہوگیا، یا ہوسکتا ہے کہ ایں ہم بچہ شتر است کے قاعدہ سے ان پر بھی مصیبت آئی ہو اور جو کچھ اثاثہ تھا ابنِ طولون نے چھین لیا ہو کیونکہ اس فتنہ کے بعد مورخین طحاوی کا جو حال بیان کرتے ہیں اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پھر انتہائی فقروتنگ دستی کے شکار ہوئے اور ان کی وہی "صعلوکیت" پھر واپس آگئی۔ اور مصیبت بالائے مصیبت یہ ہوئی کہ جب تک ابن طولون جیتا رہا، قاضی بکار کی نیابت میں قضا رکا کام محمد بن شاذان جوہری سے لیتا رہا۔

لیکن جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ ابنِ طولون کا قاضی بکار سے چالیس دن پہلے انتقال ہو چکا تھا اور ابنِ طولون کے بعد اس کا بیٹا ابوالجیش خمارویہ گو اس کے بعد مصر کا والی ہوا، لیکن ایسے سیاسی حالات پیش آئے کہ ایک مدت تک کسی قاضی کا تقرر ہی مصر کے عہدۂ قضا پر نہ ہو سکا، ابن زولاق کا بیان ہے کہ

کان بین موت بکار و ولایۃ فترۃ بقیت فیہا مصر بغیر قاض سبع سنین ؎ — قاضی بکار کی موت اور ان کی قضارت کے درمیان ناغہ ہونے کا زمانہ آیا یعنی سات سال تک مصر بغیر قاضی کے رہا۔

اور میرے خیال میں بھی جو چیز طحاوی کی پریشانی کا باعث ہوئی جب تک ابنِ طولون زندہ رہا ظاہر ہے کہ اس وقت تک ان کو حکومت میں کیا عہدہ ملسکتا تھا بلکہ زیادہ قرینہ یہی ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن کو بھی پسنا پڑا ہو گا۔ اور جب ابن طولون مرگیا تو سات سال تک کوئی قاضی ہی مقرر نہ ہو سکا۔ طحاوی نے جو علم سیکھا تھا معاشی حیثیت سے وہ اگر نفع بخش ہو سکتا تھا تو قضا ہی کے محکمہ میں اور بیچارے کو دنیا کا کوئی پیشہ ہی کونسا آتا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں میں امام طحاوی کو سخت مالی پریشانیاں اٹھانی پڑیں۔ اس لئے عموماً اس زمانہ کی تنگ دستیوں کا حال مورخین خلافِ دستور اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) نیابت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ قاضی بکار کا تقرر خود بارگاہِ خلافت سے ہوا تھا اور ابنِ طولون جو مصر کا گورنر تھا اس کو موقوف کرنے کا اختیار نہ تھا۔ ؎ ملحقات کندی ص ۵۱۵۔